تلخیص وترجمہ

ہندوستان میں اسلامی طرزِ تعمیر

مترجمہ جناب سید جمال حسن صاحب شیرازی بی اے

ذیل کا مضمون ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی ڈی لٹ کے اس توسیعی لکچر کا ترجمہ ہے جو موصوف نے انگریزی زبان میں ۲۰ فروری ۱۹۴۱ء کو بھنڈارکر اورنٹیل ریسرچ انسٹیٹیوٹ پونہ میں دیا تھا ترجمہ میں حوالوں کو نقل نہیں کیا گیا ہے جو اس لکچر میں جا بجا موجود ہیں۔ برہان میں اس ترجمہ کی اشاعت کے لئے ہم انسٹیٹیوٹ مذکور کے شکر گزار ہیں۔ (برہان)

اگرچہ مسلمانوں نے خطۂ سندھ کو ۷۱۲ء میں فتح کر لیا تھا لیکن ہندوستان میں اسلامی تہذیب و تمدن کے اثرات گیارہویں صدی عیسوی سے شروع ہوئے۔ جب سلطان محمود غزنوی کے پے درپے حملوں اور فتوحات سے اس نئی طاقت یعنی اسلامی تمدن کی آمد کا احساس ہندوستانیوں کو ہونے لگا۔ سلطان محمود نے ۱۰۳۰ء میں وفات پائی۔ اس نے ہندوستان کے تمام مفتوحہ علاقوں میں خصوصاً پنجاب اور اس کے اطراف میں اپنے نائب مقرر کر دیئے تھے۔ اس دور میں فوری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بہت سی عمارتیں بنائی گئیں لیکن بدقسمتی سے اب ان میں سے ایک بھی موجود نہیں۔ لیکن اس وقت کے چند نمونوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غزنوی خاندان کے طرزِ تعمیر کی بنیاد مصر میں طولونی عمارتیں اور سر من رای میں عباسیوں کی تعمیرات ہیں۔

احمد آباد کی مسجد کا چھ سے ایک کتبہ مجھے ملا ہے جس کی تاریخ ۴۴۵ھ مطابق ۱۰۵۳ء ہے۔ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد محمود غزنوی کی وفات سے ۲۲ سال بعد تعمیر ہوئی۔ لیکن جو عبارت اس پر بعد کو کندہ کرائی گئی ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتبہ موجودہ مسجد کی بنیاد سے برآمد ہوا تھا۔ جب گجرات کے

مسلمان بادشاہوں کے ابتدائی دور میں اس کی تعمیر ہو رہی تھی۔ سومناتھ جو محمود غزنوی کے حملوں کا مرکز رہا ہے احمد آباد سے کچھ زیادہ دور نہیں۔

یہ واقعی ایک عجیب بات ہے کہ چار صدیوں کے بعد گجرات میں مسلمانوں کی حکومت دوبارہ ٹھیک اسی مقام پر قائم ہوئی۔ الغرض ان تمام باتوں سے یہ امر بالکل واضح ہے کہ اس دور کے مسلمان نہایت اعلیٰ قسم کے طرزِ تعمیر سے واقف تھے۔ اور ہوتے کیوں نہیں آخر یہ سب ایرانی، افغانی یا ترکی نسل ہی سے تو تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قدرت نے انھیں فنِ تعمیر میں ایک جبلی ملکہ عطا فرمایا تھا۔ اگرچہ یہ ضرور ہے کہ ابتدا میں وہ ساسانی اور بزنطینی طرزِ تعمیر سے بہت زیادہ متاثر ہوئے تھے۔ یہ ایک لازمی سی بات تھی کیونکہ اسلامی فنون کی تخلیق یورپ کے مختلف فنونِ لطیفہ کی تحریکوں کی طرح کسی ایک قوم کے ہاتھوں وجود میں نہیں آئی۔ بلکہ اس کی تخلیق تو خود مذہب نے کی۔ اک ایسے مذہب نے جس کے پیرو آج بھی دنیا کے بہت سے خطوں اور قوموں میں پائے جاتے ہیں۔

ہندوستان میں اسلامی طرزِ تعمیر کی تاریخ دراصل دلی کی قدیم ترین عمارت مسجد قوۃ الاسلام اور اس کے بلند مینار سے شروع ہوتی ہے جو میلوں دور سے نہایت نمایاں اور صاف دکھائی دیتا ہے۔ اس کی بنیاد معزالدین محمد غوری ابن سام کے نائب قطب الدین ایبک کے زمانے میں ۱۱۹۱ء کی فتح (جو راجپوت فوجوں پر حاصل ہوئی تھی) کی یادگار کے طور پر رکھی گئی۔ اور ہندوؤں اور جینیوں کے تباہ شدہ مندروں کے ملبہ سے فضل بن ابی المعالی کی نگرانی میں اس کی تعمیر ہوئی۔ اس کی بلند محرابیں آرائشی بیلوں اور قرآنی آیات سے مزین ہیں۔ اس دور کے مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس میں گنبد بھی تھے لیکن وہ اب موجود نہیں ہیں۔ چنانچہ یہی طرزِ تعمیر ہندوستان میں عام ہو گیا اور مسلمانوں کا ایک مخصوص طرز بن گیا۔ اگرچہ اس مسجد کی تعمیر میں مقامی غیر مسلم معماروں کو مامور کیا گیا تھا جو مخصوص اسلامی طرز و شکل سے ناآشنا تھے لیکن انھوں نے مسلمان انجنیروں کی ہدایتوں کے مطابق اسے تیار کیا۔

سرجان مارشل نے ٹھیک کہا ہے کہ اس قسم کے سامان سے ایک کامیاب عمارت تیار کرنا اور اسلامی طرزِ تعمیر کے معیاری اصولوں سے انحراف کئے بغیر دو ایسے متضاد اور مختلف طرزِ تعمیر میں توافق پیدا کرنا ایک غیر ممکن سا کام معلوم ہوتا تھا کیونکہ مسلمانوں کی مسجدوں اور ہندوؤں کے مندروں میں آسمان و زمین کا فرق تھا۔ ہندوؤں کے مندر نسبتاً چھوٹے اور تنگ ہوتے تھے لیکن مسلمانوں کی مسجدیں وسیع اور کشادہ ہوتی تھیں۔ اگر ایک طرف مندر تیرہ و تاریک ہوتے تھے تو دوسری طرف مسجدیں ہوادار اور کھلی ہوئی ہوتی تھیں۔ ہندوؤں کا تعمیری سسٹم کڑیوں ستونوں اور مرغول پر تھا۔ اور مسلمانوں کا سسٹم گنبدوں اور محرابوں پر۔ مندروں میں بہت سے مخروطی منارے ہوتے تھے لیکن مسجدوں میں وسیع اور بلند گنبد ہندو چونکہ بتوں کی پوجا کرتے تھے اس لئے ان کی عمارتیں دیوتا اور دیویوں کی تصویروں سے مزین ہوتی تھیں لیکن اسلام بت پرستی تو درکنار کسی جاندار کی تصویر بنانے کا بھی سخت مخالف تھا۔ ہندو طرزِ تعمیر میں عمارتوں کی آرائش تکونی شکلوں اور تصویروں سے ہوتی تھی۔ یہ گاتھی طرزِ تعمیر کی طرح فطری بلکہ کہیں زیادہ رنگین اور مرصع ہوتی تھی۔ لیکن اسلامی تعمیری آرائش کا رجحان رنگوں، خطوں اور ہموار سطح پر کندہ کاری کی طرف تھا جو طغرائی گلکاری اور انوکھے ہندسی نقش و نگار کی شکل میں عیاں ہوا۔ لیکن اس نمایاں تضاد و اختلاف کے باوجود چند ایسے اجزاء بھی ہیں جو ان دونوں طرزہائے تعمیر میں مشترک ہیں اور جو ان دونوں کے باہمی امتزاج میں ایک بڑی حد تک ممد ثابت ہوئے ہیں۔

التمش کے عہد کے بعد نوے سال کا فاصلہ واقع ہوتا ہے، اس کے بعد علاؤالدین خلجی نے اس مسجد قوۃ الاسلام میں ایک دروازہ تعمیر کرایا جس میں طرزِ تعمیر کے اعتبار سے زیادہ اسلامی وضع پائی جاتی ہے۔ پس اسی طرح ہندوستان میں اسلامی طرزِ تعمیر کا تخیل جڑ پکڑتا گیا اور غیر مسلم معماروں کو مسلم سلاطین نے ترغیب دے کر محراب، گنبد، طغرائی نقش و نگار اور دوسرے قسم کے خاکے اور نقوش ابھارنے سکھائے۔

یہاں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے مخصوص طرزِ تعمیر کے نقطۂ نگاہ سے محراب کی

صحیح صحیح تعریف بتا دی جائے۔ کیونکہ اس کا شمار مسلمانوں کی ایک بڑی جدت میں ہوتا ہے۔ ممکن ہے کچھ لوگ اعتراض کریں کہ مسلمانوں کے آنے سے پہلے بھی اس شکل وصورت کے چٹانوں کے تراشے ہندوستان میں موجود تھے۔ یہ صحیح ہے لیکن فنی اعتبار سے محراب نام ہے پتھروں کو یکجا سجانے کا جو بغیر سمنٹ کی مدد کے اپنی جگہ پر قائم رہیں اور ایک حصہ کا دوسرے حصے کے ساتھ توازن ایسا ہو کہ وہ مضبوطی کے ساتھ سارے ڈھانچے کو تھامے رہے۔ آرتھر کنگسلی پورٹر نے ٹھیک لکھا ہے کہ گول تکونی حصہائے گنبد (Pendentive) جو گنبد کی خصوصیات میں سے ہے، مشرق کے لوگ اس کے طرزِ تعمیر سے بہت زمانہ قبل واقف تھے اور عربوں میں محراب کے طرزِ تعمیر کو ایک ایسا درجہ حاصل تھا کہ ان کے ہاں مثل مشہور تھی کہ "محراب کبھی نہیں سوتی" پس محراب اور گنبد نہایت ہی قدیم زمانے سے مسلمانوں کے طرزِ تعمیر کی خصوصیات میں شمار ہوتے ہیں۔ اور اگرچہ انھوں نے جدید طرز میں کڑیوں کے (Trabeate) سسٹم کو زیادہ رواج دیا لیکن وہ دراصل محراب اور گنبد ہی کو اپنا مخصوص مذہبی اور اسلامی طرزِ تعمیر شمار کرتے رہے۔ دوسری خصوصی چیزیں جو انھوں نے رائج کیں ان میں مینارے، گول تکونی قطعہائے گنبد (Pendentives) شش پہلو ساخت اور آدھے گنبد والے دو طرفہ دروازے لائقِ ذکر ہیں۔ باریک آرائشی کام اور رنگین نقش ونگار تو ہمیشہ سے مسلمانوں کو عزیز تھے۔ لیکن ان دونوں شعبوں میں بھی انھوں نے نہایت دلکش اور انوکھی جدتیں پیدا کیں۔ ہندوستانی آرٹ کے لطیف پھول پتی کے نقش ونگار میں اپنی مخصوص طغراوی شکل کی گلکاری اور پر پیچ ہندسی خطوط کا اضافہ کیا۔ اور بعض اوقات انھیں نقش ونگار کو اپنی مقدس کتابوں اور تاریخی کتبوں میں نہایت باریکی کے ساتھ جڑ دیئے (یہاں یہ واضح رہے کہ یہ کام صرف مسلم خطاط ہی کر سکتے تھے) اور صرف یہی نہیں کہ پلاسٹر اور دیواروں کی کندہ کاری پر اکتفا کرتے تھے بلکہ عمارتوں کی بھڑک اور رنگینی بڑھانے کے لئے نقش ونگار اور طلاکاری سے مدد لیتے تھے یا تعمیری خصوصیات کو اُجاگر کرنے کیلئے مختلف قسم کے خوشرنگ پتھر جڑ دیتے تھے۔ بعد کو زیادہ دقیق پچی کاری کے ذریعہ رنگین پتھروں اور سنگِ مرمر کے ٹکڑوں پر انہی نقش ونگار کا چربہ اتارا۔ اس سے بھی

زیادہ کاشی کاری سے Emcauatictilting جو ابتدا میں کم لیکن بعد کو بڑی کثرت سے استعمال کرنے لگے ساری عمارت جگمگا اٹھتی تھی۔ پس مسلمانوں نے ہندوستان میں جہاں کہیں بھی عمارتیں تعمیر کرائیں اسی قسم کے طرزِ تعمیر کو اختیار کیا۔

انگلستان کے نارمنوں کی طرح تغلق بادشاہوں نے بلند بھاری اور سادہ عمارتیں تیار کرائیں اس دور کی تعمیر کردہ عمارتیں ہندوستان کے تمام علاقوں میں پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ جہاں کہیں گئے عمارتیں بنوائیں تعمیرات کے سلسلہ میں سلطان فیروز شاہ تغلق کو ممتاز درجہ حاصل ہے۔ اس دور کا مورخ سراج عفیف لکھتا ہے کہ "یہ بادشاہ رفاہ عام سے متعلق تمام تحریکوں میں بے حد دلچسپی لیتا تھا۔ اس کے عہد میں شہر بسائے گئے، تعمیرات کا فن نہایت بلند معیار کو پہنچ چکا تھا اور مختلف قسم کی عمارتیں مثلاً قلعے شاہی محلات، شفاخانے، بند اور مقبرے کثیر تعداد میں تعمیر ہو چکے تھے۔

چودہویں صدی عیسوی کے اخیر میں تقریباً تمام صوبے سلاطین دہلی کے ہاتھ سے نکل چکے تھے اس لئے مختلف علاقوں میں مقامی سہولت کے لحاظ سے مختلف طرزِ تعمیر معرض وجود میں آئے۔ چنانچہ جونپور کے شرقی بادشاہوں نے ہندو مسلم آرٹ کو ملا کر ایک عجیب وغریب طرز ایجاد کیا۔ اُدھر بنگال کے حکمرانوں نے بھی ایک نیا طرز ایجاد کیا جس کے نمونے اب تک مالدہ کے ضلع میں گورا اور پانڈوا میں موجود ہیں مانڈو مالوا کے خلجی سلاطین نے خالص اسلامی طرز اختیار کیا اور مقبرے عام طور پر پہاڑوں کی بلندیوں اور چوٹیوں پر بنوائے۔ گجرات میں جو جینیوں اور دوسرے راسخ الاعتقاد ہندوؤں کا مرکز تھا مسلمانوں نے اپنا ایک نیا اور مخصوص طرز ایجاد کیا۔ ان کی تعمیرات میں مقامی سامان تعمیر کی نوعیت کو بڑا دخل ہے۔ یہاں کے مسلمانوں نے غیر مسلم تعمیرات اور ان کی محراب اور گنبدوں کی خصوصیات سے بھی کچھ مدد لی۔ اسی طرح دکن میں بہمنی، برید شاہی اور نظام شاہی سلاطین کی تعمیرات بھی ہندوستان میں اسلامی طرزِ تعمیر کے اہم ترین باب ہیں۔ لیکن بیجاپور کی اسلامی تعمیرات اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ قابلِ توجہ ہیں۔ کیونکہ بادی النظر میں یہ عمارتیں

مغل طرزِ تعمیر سے بہت مشابہ معلوم ہوتی ہیں چنانچہ بہت سے لوگوں نے ان تعمیرات کا ذکر تاج محل کے ساتھ کیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تاج محل کی طرح ان میں بھی پیازہ نما گنبد .Bulbous dome ہے اور عام شکل و صورت میں تاج محل سے بڑی مناسبت ہے لیکن اساسی اعتبار سے یہ عمارتیں تاج محل سے بہت کچھ مختلف ہیں۔ ان سلاطین کے دو مشہور معمار ملک جندل اور ملک یاقوت دھبوگی، ترکی طرزِ تعمیر سے بے حد متاثر ہوئے تھے۔ ان میں سے اول نے سلطان ابراہیم کا روضہ تعمیر کیا تھا اور دوسرے نے مسجد بنائی تھی۔ ان کے نام کتبوں میں اب تک موجود ہیں۔ سلطان محمد عادل شاہ کے مقبرہ کا گنبد دنیا کا سب سے بڑا گنبد خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی تعمیر ۱۶۶۵ء میں ہوئی۔ آگرہ میں جب تاج محل کی تعمیر شروع ہوئی اس وقت سلطان محمد ابراہیم کا روضہ تعمیر ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود عادل شاہی عمارتیں شاہ جہاں کی عمارتوں کی ہمعصر کہلا سکتی ہیں۔ سلطان ابراہیم کے روضہ پر ایک ہلال بنا ہوا ہے۔ اس کی تعمیر ابراہیم کی بیگم تاج سلطانہ نے شروع کرائی تھی۔ سلطان اپنی بیگم سے پہلے مرا اور اس میں دفن کیا گیا۔ اس کے بعد اس کی بیوی بھی اسی روضہ میں مدفون ہوئی۔ ہلال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عادل شاہی سلاطین ترکی النسل تھے یا معمار ترکی سے بلائے گئے تھے۔ کیونکہ گنبدوں کے اوپر ہلال کی تعمیر خالص ترکی اختراع شمار کی جاتی ہے۔

اس کے بعد پٹھانوں نے اپنے مقبروں اور دوسری گنبددار عمارتوں میں کثیر الزاویہ کرسیوں (Polygonal bases.) کا اضافہ کیا۔ نیم کروی گنبد ہوتے تھے۔ اس قسم کی عمارتوں کے آثار اب تک دہلی اور دوسرے علاقوں میں بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔ ایسی عمارتوں کا بہترین نمونہ شیر شاہ سوری (۹۴ - ۱۵۳۹) کا مقبرہ ہے۔ یہ سہسرام ضلع شاہ آباد میں واقع ہے۔ اس عمارت میں خوشرنگ کھپرے (.Tiles) لگے ہوئے ہیں جو ایران سے منگوائے گئے تھے۔ دہلی کے پرانے قلعے میں اس کی بنوائی ہوئی مسجد اور شیر منڈل اس دور کے پٹھانوں کے طرزِ تعمیر کے بہترین نمونے ہیں۔ ان عمارتوں میں پتھر پر آرائشی نقوش بہت کثرت سے ہیں۔

مآثر رحیمی میں درج ہے کہ آگرہ گورگانی سلاطین کا دارالخلافہ تھا۔ ان سلاطین نے بھی عالیشان نفیس اور خوبصورت عمارتیں بنوائیں۔ اس دور کے معماروں میں استاد ہروی ایک نہایت باکمال معمار گذرا ہے۔ اس کے ہم عصر شاعر مولانا وحشی یزدی نے اس کی تعریف و تحسین میں اشعار لکھے ہیں۔ استاد ہروی ایران سے فرار ہوکر ہندوستان آیا تھا اور یہیں بود و باش اختیار کرلی تھی۔ اس نے بہت عمارتیں تعمیر کیں۔

مآثر رحیمی میں عبدالرحیم خانخانان کی بیگم کے مقبرہ کا تذکرہ ہے۔ اسی مقبرہ میں خانخانان بعد کو نظربند کیا گیا تھا۔ کرسول Creswell نے اس خوبصورت مقبرہ کو تاج محل کا سچا نمونہ قرار دیا ہے۔ اس کا نقشہ شاید استاد ہروی ہی نے تیار کیا تھا۔ اس کے متعلق مصنف نے لکھا ہے کہ اپنے وقت کا بہترین معمار تھا۔

لیکن عبدالرحیم خانخانان کی بیوی کے مقبرہ کی تعمیر سے پہلے ہمایوں کا مقبرہ تعمیر ہوچکا تھا۔ اس کے اصلی معمار کا پتہ اب تک نہیں چل سکا ہے۔ اگرچہ بعض ماہرین فن کہتے ہیں کہ یہ مقبرہ تاج کا اصلی نقشہ ہے۔ حضرت نظام الدینؒ اولیا کے احاطہ میں شمس الدین محمد خاں غزنوی عرف انکا خاں کا مقبرہ ہے۔ اس کی تعمیر ہمایوں کے مقبرے کے ساتھ ساتھ ہوئی۔ (۹۷۴ھ مطابق ۱۵۶۶ء) اگرچہ یہ مقبرہ ہمایوں کے مقبرہ سے بہت چھوٹا ہے لیکن جہاں تک وضع قطع اور طرز و شکل کا تعلق ہے یہ دونوں ایک دوسرے سے بہت مشابہ ہیں۔ بالخصوص سامانِ تعمیر اور گنبد دونوں میں ایک سے ہیں مقبرے کے شرقی دروازے پر جو نام کندہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معمار کا نام استاد خدا قلی تھا۔ اسی طرح سمرقند میں امیر تیمور کے مقبرہ "گور امیر" کی تعمیر سے ۲۲۵ سال بعد احمد معمار نے آگرہ میں تاج محل بنایا احمد کے دوسرے بیٹے لطف اللہ مہندس (Engineer.) نے اپنے دیوان میں تذکرہ کیا ہے کہ اس کے باپ احمد نے جو نادر العصر کہلاتا تھا، آگرہ میں تاج محل اور دہلی میں قلعہ معلی کی تعمیر کی

احمد ابن لطف اللہ کا نام مانڈو میں ہوشنگ غوری کے مقبرہ میں بھی کندہ ہے۔ اس میں شاہ جہاں کے عہد کے چند دوسرے مشہور معماروں کے نام بھی کندہ ہیں جو ۱۰۷۰ھ میں مانڈو گئے تھے۔ تاریخ میں تاج محل کے حقیقی معمار کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ صرف ملا محمد صالح کمبو نے اپنی تصنیف "اعمال صالح" میں اور محمد وارث نے اپنی تصنیف "بادشاہ نامہ" میں احمد اور حمید دو شخصوں کے نام لئے ہیں اور ان کے متعلق یہ بتایا ہے کہ شاہ جہاں کے عہد (۱۶۳۸ء) میں یہ دونوں معمار دہلی کی عمارتیں تیار کرتے تھے۔

وسط ایشیا کے ان معماروں کے علاوہ جنھوں نے ہندوستان میں اسلامی طرز تعمیر کو مروج کیا، ہم دیکھتے ہیں کہ تاج محل کے تہ خانے کی محراب بجنسہ سمرقند میں "گور امیر" کی محراب کی سی ہے اور تاج محل کی سب سے بڑی تعمیری خصوصیت پیازہ نما (Bulb ous dome.) گنبد کی دوہری ساخت بھی سمرقند کے مقبرہ کی سی ہے۔ یہ ان عمارتوں کی ایک ممتاز مشترک خصوصیت ہے۔ اور اس کو ہمعصر مورخوں نے ناشپاتی نما گنبد کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ہندوستان میں تاج محل کی تعمیر سے پہلے اس قسم کا کوئی گنبد موجود نہیں تھا۔ پس میں یہاں اس امر پر زور دیتا ہوں کہ یہ دوہری ساخت والا گنبد دراصل مسلمانوں کے طرز تعمیر کا خاصہ ہے۔ چنانچہ کرسول لکھتا ہے "کیا تیمور کے علم میں عالم اسلام کے کسی گوشہ میں دوہرے گنبد والی شاندار عمارت کسی جگہ موجود تھی؟ ہاں تھی اور صرف ایک مقام پر یہ دمشق میں مسجد اموی تھی۔ جس کی تعمیر خلیفہ ولید نے ۷۰۵ء میں کرائی۔ اس کے علاوہ بخارہ میں ابو ابراہیم اسمٰعیل بن احمد کے مقبرہ کو بھی جس میں بیچ کے گنبد کے گرد اگرد چار چھوٹے چھوٹے گنبد ہیں تاج محل کا نمونہ مانا جا سکتا ہے۔

سر محمد اقبال نے زبور عجم میں ہندوستان کی انھیں اسلامی عمارتوں کا تذکرہ نہایت دلکش پیرایہ میں کیا ہے۔

خیز و کار ایبک و سوری نگر　　وا نما چشمے اگر داری جگر

خویش را از خود بروں آوردہ اند — ایں چنیں خود را تماشا کردہ اند
سنگہا با سنگہا پیوستہ اند — روزگارے را بآنے بستہ اند
نقش سوئے نقشگر می آورد — از ضمیرِ او خبر می آورد
ہمتِ مردانۂ و طبعِ بلند — در دلِ سنگ ایں دو لعلِ ارجمند

یک نظر آں گوہرِ نابے نگر — تاج را در زیرِ مہتابے نگر
مرمرش از آبِ رواں گردندہ تر — یک دم آنجا از ابد تابندہ تر
عشقِ مرداں سرِ خود را گفتہ است — سنگ را با نوکِ مژگاں سفتہ است
عشقِ مرداں پاک و رنگیں چوں بہشت — می کشاید نغمہا از سنگ و خشت
عشقِ مرداں نقدِ خوباں را عیار — حسن را ہم پردہ در ہم پردہ دار
ہمتِ او آنسوئے گردوں گذشت — از جہانِ چند و چوں بیروں گذشت
زانکہ در گفتن نیاید آنچہ دید — از ضمیرِ خود نقابے بر کشید

ضرورت

دفتر برہان کو "برہان" ماہ فروری ۱۹۴۱ئہ جولائی ۱۹۴۱ئہ نومبر ۱۹۴۱ئہ جنوری ۱۹۴۲ئہ کے رسالوں کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی صاحب فروخت کرنا چاہیں تو دفتر کو مطلع کردیں یا ۵ر تین پیسے کے ٹکٹ فی رسالہ لگاکر بھیجدیں دفتران کی قیمت ادا کردے گا یا مدتِ خریداری میں توسیع کردیگا۔

منیجر رسالہ "برہان" قرول باغ دہلی